U 12932 12-12-09.

Title - SILSABEEL

Creator - Aal Ahmad Sarwar.

Publisher - Idara Englishiya Muslim University (Aligarh)

Date - 1935

Pages - 112

Subjects - Urdu Shayari - Majmua Kalaam.

سلسبیل

سرور

مکرمی و محترمی مولانا حسرت صاحب [illegible] کی طرف سے
ہدیہ نیاز
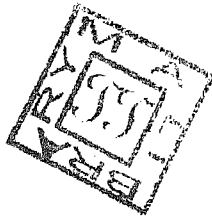
سرور

سلسلہ مطبوعات انجمن اُردوئے معلیٰ نمبر ۱

سلسبیل
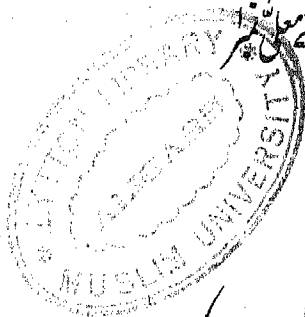
آلِ احمد صدیقی سرور ایم اے (علیگ)

ادارۂ انگلیشیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سنہ ۱۹۳۵ء

قیمت فی جلد ایک روپیہ (عہ)

بار اول ۵۰۰ جلد

عنوانات

صفحہ

صفحہ

باب سوم - لالۂ صحرا

باب چہارم - تغزّل

جنّتِ ارضی کی ان بہاروں کے نام

جن میں کھیل کر

میرا تخیّل جوان ہُوا

سرورؔ

تعارف

(حضرت رشید احمد صدیقی)

ایک شاعری شباب کی ہوتی ہے ایک شاعر کی ہوتی ہے اور ایک شوریدہ پشت کی۔ ہندوستان میں کسی ایک کی کمی نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک قسم کے شاعر کو نام بنام گنا دینا آسان ہے اور مجھے یقین ہے لوگ اس تقسیم سے اختلاف بھی نہ کریں گے لیکن بعض اوقات مسئلہ کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ شعر و شاعری کے بجائے لوگ شیطان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور گو شیطان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے لیکن یہ کیا کم ہے کہ خود شیطان کو لاحول پڑھنی پڑے!

میرا مطلب شوریدہ پشت شاعر سے ایسا شاعر ہے جس سے نہ کسی قافیہ کی عزت بچنے پائے اور نہ قطعہ تاریخ چھوٹنے پائے۔ یہ کیسی عبرت ہے کہ شاعر شعر کہتا ہی چلا جائے اور اس میں کہیں کسی قسم کی غلطی نہ ہو اور کوئی معقول بات بھی نظر نہ آئے۔ بکثرت صحیح اور بے لاگ رہنا بھی تو ایک آشوب ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کسی بزرگ نے ایک طویل الذیل قصیدہ لکھا تھا جس کے پہلے مصرعہ سے عیسوی اور ثانی سے ہجری تاریخ برآمد ہوتی تھی اور دونوں میں ربط پیدا کرنے کی کوشش نے خالص مولویانہ مذاق پیدا کر دیا تھا۔ ایک جگہ لاحول کا قافیہ تھا۔ شاعر کی نگاہ نے نرگس کو تاکا، چنانچہ دونوں باندھ دئے گئے۔

اقبال نے سچ کہا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شاعر کی شاعری سے میری مراد شعر و شاعر کے توازن سے ہے۔ اس پہ کافی طویل بحث کی جا سکتی ہے لیکن بحث بجائے خود کونسا شریفانہ فعل ہے کہ اس میں طوالت کو دخل دے کر بدمذاقی کا ثبوت بھی بہم پہنچایا جائے۔ چنانچہ میں یہاں صرف یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ توازن سے میری مراد یہ ہے کہ شعر، شاعر اور شاعری ایک دوسرے سے یوں مربوط ہوں کہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ فلاں چیز فلاں جگہ سے شروع ہوتی ہے اور فلاں جگہ ختم ہو جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر کسی ایک جزو کو حذف کر دیا جائے تو کوئی دوسرا جزو اس کی جگہ نہ لے سکے۔ یہ مسئلہ کافی لطیف دقیق اور نازک ہے اور یہ صرف میرے بیان کی کوتاہی ہے کہ اس میں تصوف کی گمراہی یا بازی گری بھی نمایاں ہو گئی ہے۔

شباب کی شاعری سے میری مراد شبابیات سے نہیں ہے جس کا دوسرا نام سٹرنگ گورنمنٹ ہے یا جسے بحیثیت مجموعی فساد گندم سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ موضوع کافی دلچسپ ہے اور جی چاہتا ہے کہ اس پر بھی جی کھول کر بحث کی جائے لیکن چونکہ یونیورسٹی مسلمانوں کی ہے اور حکومت انگریزوں کی اور میں اور سرور صاحب دونوں بالطبع ذرا توبۃ النصوح قسم کے واقع ہوئے ہیں اس لئے ناگفتہ بہ۔

شباب کی شاعری کا میرا تصور یہ ہے کہ شاعر سے لغزش ہو اور اس کی ہر لغزش ایک نئی منزل کا پتہ دیتی ہو۔ یعنی اس کی ہر کوشش ناتمام شاعری کی تخلیق و تشکیل نو کی ترجمان ہو۔ شباب حرکت کا نام ہے اور حرکت کا ایک جزو لغزش ہے۔ جس چیز نے ہماری شاعری کو بڑی حد تک متحجر کر دیا ہے اور ہمارے شعر و ادب کو آثار قدیمہ کی حیثیت دیدی ہے، وہ ہماری فرسودہ ملنسی اور فرسودہ روی ہے۔ ماضی کی سب سے بڑی

خدمت یہ ہے کہ مستقبل کی تعمیر بیش از بیش اور جلد از جلد کی جائے۔ بعض طبائع یہ سنتے ہی بدگمان ہونے لگتی ہیں کہ موجودہ نسل کو گزشتہ نسل کی پیروی سے منع کیا جارہا ہے، گزشتہ روایات کو نظر انداز کیا جارہا ہے اور آئندہ کارناموں پر زور دیا جارہا ہے یہ تنگ نظری اور جہالت ہے لیکن اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اسلاف اخلاف کے کارناموں سے زندہ رکھے جاتے ہیں۔ اخلاف اسلاف کے کارناموں سے زندہ نہیں رکھے جاسکتے۔ اخلاف کو اسلاف کے کارناموں سے صرف یہ مدد ملتی ہے اور ملنی چاہئے کہ موخرالذکر نے کس چیز کو کہاں تک پہونچا دیا ہے نہ یہ کہ جو چیز جہاں تک پہنچ چکی ہے اس سے آگے بڑھنا بڑھانا اخلاف کے لئے ناممکن یا ناروا ہے۔ اسی اصول پر میرا ذاتی خیال ہے کہ کم سے کم جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے، نوجوانوں کے راستہ میں بوڑھوں کو نہ پڑنا چاہئے۔ مجھے خیال آتا ہے ہکسلے نے ایک جگہ لکھا ہے کہ چالیس یا پچاس سال کی عمر کے بعد ماہرین یا مجتہدین سائنس کو چاہئے کہ وہ اپنا بوریا بستر سنبھال کر علحدہ ہو جائیں اور نوجوان سائنس دانوں کے پیش کردہ اصول یا نظریوں کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اگر یہ طریق کار سائنس کے لئے مفید ہے تو میرا خیال ہے شعر و شاعری میں اس کو الہام کا درجہ دینا چاہئے۔

میرے اس خیال کو مزید تقویت اصغر صاحب (صاحب نشاط روح و سرود زندگی) سے پہنچی۔ اثنائے گفتگو میں فرمانے لگے، رشید صاحب، کیا کہتے ہیں یہ نوجوان شعرا اکثر ایسی ایسی باتیں بے تکان کہہ جاتے ہیں اور اس لطف و خوبی

سے کہ گذرتے ہیں کہ ہم سب بدذوق سہی لیکن اس سے آگے نہ پہنچیں اور پہنچ
جائیں تو کسی کو زندہ نہ رہنے دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ جتنی اپنی پرستش کرانا
چاہتے ہیں اس کا عشر عشیر بھی ان نوجوانوں کی ہمت افزائی پہ صرف کریں تو
ہماری اردو شعر و شاعری کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔

نوجوانوں کے اس زمرہ میں آل احمد صاحب سرور آتے ہیں جو اپنے کارناموں
کے اعتبار سے فسانۂ عجائب سے کم نہیں۔ اوّل تو ان کا خاکِ پاک بدایوں سے
اٹھنا ہی معنی خیز ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہیں کہا ہے۔

از خاکِ بدایونے ترسم کہ دگر خیزد
آشوب ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

دوسرے یہ کہ علی گڑھ میں تو وہ چیز بن گئے جس کے بارہ میں ایک صاحب نظر نے کہا ہے

پر جب سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

دختِ رز اور سرور معنوی حیثیت سے ایک دوسرے سے کچھ دور بھی نہیں ہیں
اس لئے مصرعہ کا صادق آنا بھی مسلّم ہے۔

میں اکثر کسی معقول اور ذہین مسلمان سے ملتا ہوں تو میرے دل میں یہ خیال پہلے
گذرتا ہے کہ اس شخص نے علی گڑھ میں تعلیم پائی ہے یا نہیں۔ اکثر و بیشتر یہ خیال صحیح
نکلتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا تو افسوس ہوتا ہے کہ یہ اس نعمت سے کیوں محروم رہا۔ یہ
بات ممکن ہے دوسروں کو کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہو لیکن مجھے اس کا یقین ہے کہ ان
"دوسروں" میں وہ لوگ یقیناً نہ ہوں گے جو علی گڑھ سے نکلے ہوں یا یہاں سے

"نکالے" ہوؤں میں ہوں۔

سرور صاحب نے ایف اے اور بی اے آگرہ سے پاس کیا۔ خالص سائنس میں: فزکس کیمسٹری، بیالوجی، زولوجی، باٹنی۔ علی گڑھ آئے تو ایم اے میں انگریزی لے لی۔ یہاں تک تو آگرہ کا اثر تھا۔ علی گڑھ کا فیضان ملاحظہ ہو۔ انگریزی پڑھتے پڑھتے فرسٹ کلاس فرسٹ آئے۔ انگریزی بولتے بولتے یونین کے پریسیڈنٹ منتخب ہو گئے اور اردو لکھتے لکھتے علی گڑھ میگزین کے اڈیٹر بن بیٹھے۔ یونیورسٹی نے اُن کو انگریزی کا لکچرر مقرر کر دیا۔ ایک دن ملنے آئے بولے آئی سی ایس کی تیاری ہے میں نے کہا پاس ہو جائیے گا۔ بیوی روشن خیال اور تنخواہ لمبی ملے گی لیکن علی گڑھ کا کیا ہوگا۔ مسلمانوں میں مخدوم بہت ہیں آپ خادم بن جائیے۔ علی گڑھ سے اب تک دو ہی دیوانے اٹھے ایک محمد علی دوسرے ضیاء الدین۔ ایک نے صحرا کی راہ لی، دوسرا انھیں گلیوں میں رسوا ہوا۔ علی گڑھ ہی میں پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیے۔ خدا جن لوگوں کو عزت دیتا ہے ان کو اپنی ہی گلیوں میں رسوا کرتا ہے۔ سرور صاحب معلوم نہیں کس عالم میں تھے گرگ باراں دیدہ کی باتوں میں آگئے۔ آئی سی ایس کو خیرباد کہہ دیا۔ خدا میرا انجام بخیر کرے!

سرور صاحب کو انگریزی شعر و ادب پر عبور ہے اردو سے شغف۔ طبعاً شرقی واقع ہوئے ہیں اور پیشہ کے اعتبار سے علیگ۔ ملک و ملت، اردو شعر و ادب کی بہت سی امیدیں ان سے وابستہ ہیں۔ مادّی جاہ اور عوام کی واہ واہ سے

بچ گئے تو بہت کچھ کر جائیں گے ورنہ ؎

شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں   آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا

میں نے سرورؔ صاحب کا تعارف ناظرین سے کرا دیا۔ سرورؔ صاحب نے اپنے کلام کا تعارف ناظرین سے خود کرایا ہے۔ شعر و شاعری کے بارہ میں میرے بعض اصول نہایت درجہ بے تکے ہیں اور مجھے بالکل توقع نہیں کہ اُن سے کسی کو ہمدردی ہو گی اس لئے میں ان کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا۔ ایک تو یہی ہے کہ معقول شخص ممکن ہے نامعقول اشعار کہہ سکے لیکن نامعقول شخص معقول اشعار کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اگر ایسا ہو تو محض ایک حادثہ ہے جس پر کلیہ قائم کرنے کے بجائے ماتم کرنا زیادہ بہتر ہے۔ سرورؔ صاحب کے کلام میں نہ تو نوخیزوں کی مُنہ زوری یا بدلگامی ہے اور نہ پیشہ وروں کی ہٹ دھرمی یا فرسودہ شعاری، یعنی شعر و شاعری کی وادی میں سرورؔ صاحب نہ واماندہ راہ ہیں اور نہ گم کردہ راہ۔ اُنھوں نے اپنے پیش رؤوں کو رہبر ضرور بنایا ہے لیکن صرف اس حد تک جہاں تک کہ اُن کو رہبر کی ضرورت تھی یا رہبر اُن کی رہبری کر سکتا تھا۔ وہ منازل جہاں یہ اور رہبر دونوں اجنبی تھے انھوں نے رہبر کی رہبری کے بجائے اپنی صدق نیت اور حُسن عمل پر زیادہ بھروسہ کیا ہے اور یہی ان کا امتیاز خصوصی ہے۔ اسی میں اُن کی نجات بھی مضمر ہے!

رشید احمد صدیقی ایم اے (علیگ)

تمہید

آج کل داستان کے ساتھ داستاں سرائی بھی ضروری سمجھی جاتی ہے، صرف دوسروں کی ہی نہیں بلکہ اپنی بھی۔ حیاتِ جاوداں مستعار لینے کی یہ آرزو مستحسن نہ سہی لیکن دلچسپ ضرور ہے۔

....

ہمارے شعرا کا دستور ہے کہ اپنا "حاصلِ عمر" اس وقت نثار کرتے ہیں جب "کارے کردم" کا احساس کچھ یوں ہی سا رہ جاتا ہے اور یہ تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض گلہائے تر دامنِ گلچیں کے بجائے دامنِ حسرت ہی میں رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا شاعری، شاعر اور شعر فہم تینوں کے لئے بہتر ہوگا کہ سب کے ارمان پہلے ہی نکل جائیں۔ نہ شوقِ رسوائی رہے نہ جلوۂ رسوا۔

میری اس جرأتِ رندانہ کا باعث بعض خوش فہم حضرات "محبتِ احباب" کو ٹھیراتے ہوں گے بعض کے نزدیک اس کا سہرا "محبوبِ رسوا" کے سر ہوگا، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا باعث میں خود ہوں تحسینِ ناشناس و سکوتِ سخن شناس دونوں سے باخبر، یعنی بے نیاز۔

نقشِ اوّل میں دیکھنے والے صرف تیور دیکھتے ہیں صحتِ ذوق و ندرتِ خیال

بہت سی سستی بندشوں اور روزمرّہ زبانوں سے بہتر ہیں۔

واماندہ راہ سے گم کردہ راہ اکثر زیادہ خوش نصیب ہوتا ہے۔ شعلے کی لپک اور لہو کی دھار خیرہ کُن اور مسحورکُن سہی لیکن شمعِ محفل کی ضیا باریاں تابندہ تر اور پائندہ تر ہیں۔ فضاؤں میں پرواز کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا فضاؤں میں ٹھہرنا مشکل ہے۔

الہتہ الحکمت کے متعلق روایت ہے کہ جیوپیٹر کے سر سے نکل ہو کر برآمد ہوئی تھی۔ مگر یہ اس وقت ہوا تھا جب تمام ناتمام نقوش ظہور پذیر ہو چکے تھے۔

بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ جب تک شعر سے "مشاعرے کی چھت" یا بصورت دیگر "سننے والوں کی نیند" نہ اڑ جائے شعر شعر نہیں لیکن میرے نزدیک یہ شعر کی خوبی نہیں، مشاعرہ یا مشاعرہ کی چھت کا تصوّر ہے۔ سنتا ہوں جبریلِ مشرق نے بالِ جبریل کے بعد صورِ اسرافیل پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر بالِ جبریل سے زندہ بیدار نہیں ہوئے تو صورِ اسرافیل سے مُردوں کو بے سر و پا، سراسیمہ اور برہنہ کھڑا کرنے سے فائدہ۔

- - - - - - - - - - - -

زیرِ نظر مجموعے میں جو کچھ شائع ہو رہا ہے وہ تمام تر گزشتہ تین سال کے اندر لکھا گیا۔ اس میں تھوڑا حصہ سفرِ کشمیر سے پہلے کا ہے اور بیشتر

اس کے بعد کا۔

کشمیر جانے کا اتفاق مجھے ۱۹۳۳ء کے موسم گرما میں ہوا، اگرچہ وہ تماشا کامیاب تھا لیکن تمنا بیقرار ہی رہی صفحات آئندہ میں بھی بیقراری جابجا منتشر ہے۔

پہلی نظم وادی جہلم کے اس منظر کو دیکھ کر موزوں ہوئی تھی جو جموں سے کشمیر جاتے ہوئے بانہال سے اترتے ہی سامنے آتا ہے اور جس کے تخیل کے ساتھ ہی جہانگیر کی سرمستیاں بھی لازوال ہیں۔ باقی نظمیں اسی جنت ارضی کی مختلف بہاروں کی یادگار ہیں ہاں وادی سندھ (کشمیر) اور وادی لیدر کے مناظر نے خاص طور پر متاثر کیا۔

نظموں میں سے ایک کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے مولانا محمد علی کا مرثیہ اگر اب لکھا جاتا تو اس کی صورت دوسری ہوتی۔ اسے لکھے ہوئے تین سال سے زیادہ ہوگئے اور اب میں بغیر نقوش میں رد و بدل کے تصویر کا صرف رنگ گہرا کر سکا ہوں۔

ایک دوسری نظم حکیم و شاعر اقبال کے طرز میں نہیں مشہور انگریزی شاعر اور نقاد آرنلڈ کے تتبع میں ہے۔

غزلوں میں شاید آپ کو بعض اچھے شعر، نہایت معمولی اشعار کے
ساتھ نظر آئیں۔ اس کا علاج ابھی میرے پاس نہیں ہے۔

سرور
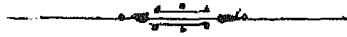
فردوسِ نظر

سیرِ کشمیر کے تاثّرات

نگاہِ اوّلیں

آغوش میں لئے ہیں نکھری ہوئی فضائیں
سمٹی ہوئی جوانی، بکھری ہوئی ادائیں
موجوں سے کھیلتی ہیں خورشید کی ضیائیں
یا جلوے لے رہے ہیں آئینہ کی بلائیں
طوفان رنگ و بو میں ڈوبی ہوئی فضائیں!
آؤ سرورؔ ہم بھی رنگین بن نہ جائیں
ہر شے پہ ہلکا ہلکا چھایا خمارِ مستی
نظروں کا ذکر کیا ہے دل جھوم جھوم جائیں
انوار کے خزانے، گلگشت کے بہانے
دوشِ ہوا پہ بکھریں، لہرائیں، مسکرائیں
شاید بہار ابکی برسی ہے رنگ بن کر
ہر غنچۂ چمن کی رنگین ہیں قبائیں

پانی نہیں شرابِ رنگیں چھلک گئی ہے
ڈوبے ہوئے ہیں پودے، سرشار ہیں فضائیں
کچھ بات ہے کہ صحرا گلشن بنا ہوا ہے
دنیا میں اور ایسے جلوے کہاں سمائیں

موجِ نظر پہ جلوے پھر رقص کر رہے ہیں
میں جگمگا رہا ہوں وہ بے حجاب آئیں
دل کو حسیں بنا لوں، آنکھوں میں رنگ بھر لوں
اے کاش یہ مناظر پابندِ نظم کر لوں

ویری ناگ
وادیٔ جہلم

"دیکھتے"

(کانگن سے گذرتے وقت)

پھر وہی منظر فضاؤں میں نمایاں دیکھتے
ہم نے جو بس اک نظر دیکھا تھا پھر ہاں دیکھتے

شامِ رنگیں دیکھتے ، صبحِ درخشاں دیکھتے
شاہدِ فطرت کو ہر پردے میں عریاں دیکھتے

شوقِ بے حد میں کنارِ آب جو بیٹھے ہوئے
جوش پر آیا ہوا حُسنِ خراماں دیکھتے

رنگ بن کر دیدۂ دل میں سما جاتی بہار
حدِ آخر تک گلستاں ہی گلستاں دیکھتے

مست ہو کر منتشر کرتے فضا میں اپنے ہوش
دامنِ صحرا میں وہ منظر پریشاں دیکھتے

دیکھتے جی بھر کے دریا کی روانی کی بہار
آئینہ میں جلوۂ پیہم کو رقصاں دیکھتے

اِک نظر میں کیا سمائیں یہ نظر کی وسعتیں
کاش ہم موجوں میں مل کر موجِ لرزاں دیکھتے

اس قدر تو زور چلتا دیدۂ بیتاب کا
دیکھنے کی حد سے بڑھ کر ہم گلستاں دیکھتے

لہر جب کوئی مچلتی حلقۂ گرداب میں
دل کے سب سمٹے ہوئے جذبات رقصاں دیکھتے

کچھ تبسّم مانگ لاتے زندگانی کے لئے
یا کوئی پیغام مل جاتا جوانی کے لئے

~~~~~~~~~~

کانگن
(وادیٔ سندھ کشمیر)
~~~~~~~~~~

حُسنِ آرزو

یارب یہاں شباب پرستا ہوا رہے
دوشیزۂ بہار کا دامن بھرا رہے
ایسا خرامِ ناز سے محشر بپا رہے
جذبہ نہ کوئی قلب میں سویا ہوا رہے
اپنی حقیقتوں سے یہ دل آشنا رہے
عکسِ جمالِ یار رہے آئینہ رہے
رنگین ہے جو سبزہ تو رنگیں بنا رہے
پھولوں کو لیکے گود میں سویا ہوا رہے
وڑے تو دوڑ جائے دو عالم میں سیلِ غم
لیکن نگاہِ بد سے یہ جلوہ بچا رہے
ہر کوہ و در کی گود سے پیدا ہوں بجلیاں
سیماب سا جلو میں جھلکتا ہوا رہے

سرمستیوں میں بادۂ احمر بکف شباب
حدِّ نظر کے ساتھ بکھرتا ہوا رہے

رعنائیاں تمام یہ بکھری پڑی رہیں
دل خوشہ چینیوں کے مزے لوٹتا رہے

یارب فضائے ہند کا یہ حُسنِ بے مثال
میرے خیال، میری نظر میں بسا رہے

موجوں میں سندھ کی رہیں روپوش بجلیاں
دل میرا یوں ہی وادیِ ایمن بنا رہے

ہنگامۂ حیات سے ٹوٹے نہ یہ طلسم
اتنا نظر میں حُسن سمایا ہوا رہے

سونامرگ
(وادی سندھ)

ٹ برستا ہوا اور سویا ہوا برستا اور سویا سے زیادہ جامعیت رکھتے ہیں اس
استعمال کیے گئے۔

خندہ زارِ لیدر میں

تجلّی، جس سے کسبِ نور کرتی تھی نظر برسوں
مری روشن امیدوں میں رہی جو جلوہ گر برسوں

جھلکتی تھی تمنّاؤں میں جو شام و سحر برسوں
سِمٹ جاتی تھی بن بن کر حیاتِ مختصر برسوں

جہاں سورج نے برسوں رنگ و بو کی بارشیں کی ہیں
جہاں فطرت نے خوش ہو کر لٹائے ہیں گہر برسوں

جہاں کے ذرّے ذرّے کو ملی ہے گُل بداماں
ضیا میں کھیلتی رہتی ہیں جس جا خاک پر برسوں

جہاں رعنائیاں آوارہ پھرتی ہیں فضاؤں میں
جہاں رنگینیوں میں کھوئی رہتی ہے نظر برسوں

جہاں مینائے فطرت سے ذرا سرمستیاں لے کر
بُھلا دیتی ہیں نظریں حلقۂ شام و سحر برسوں

مرے قلب و جگر کو جگمگاتا ہے وہی منظر
یہ میں ہنستا نہیں ہوں مسکراتا ہے وہی منظر

پہلگام

(وادیٔ لیدر)

اب مجھے دشت کی پروا نہ بیابانوں کی
روح اک کھینچ کے رکھی ہے گلستانوں کی

جھک کے نرگس نے کس انداز سے دیکھا تھا مجھے
پتیاں پھول بنی ہیں مرے افسانوں کی

سیرِ کشمیر کے پرتو سے جھلکتی ہے سرور
میرے اشعار میں تصویر گلستانوں کی

شاعر اور دوشیزۂ فطرت

نگاہِ شوق سے پردہ اُٹھا، جلوا نظر آیا
نظر کی شوخیوں پر حُسن شرمایا، نظر آیا
تڑپ کر ہو گیا بیدار ہر ارماں مرے دل کا
ترے دامن میں سیلِ نور یوں بکھرا نظر آیا
نظر میں ہو کے موجِ رنگ اِک دل کی طرف دوڑی
بہارِ لالہ و گُل کا سماں ایسا نظر آیا
مرے دل میں بھی لہریں سی کئی بے ساختہ اُٹھیں
فضا کی گود میں وہ جلوہ لہرایا نظر آیا
یہ عالم بن گیا میرے لئے پیمانۂ رنگیں
کوئی اتنا شراب و شعر میں ڈوبا نظر آیا
جوانی آ گئی نظروں میں، دل میں زندگی دوڑی
شباب اُٹھتا، بکھرتا، کھیلتا، ہنستا نظر آیا

حبابِ احمریں کی شوخیاں فرشِ زمرّد پہ
مرا وہ راز جو یوں برملا افشا نظر آیا

سونامرگ

(وادیٔ سندھ)

---

* سونامرگ میں صبح کو جو سُرخ پھول کِھلے نظر آتے ہیں اُن کی جگہ شام کو دوسرے رنگ کے پھول لے لیتے ہیں۔ دورِ شباب اس قدر لازوال مگر اتنا مختصر دنیا میں شاید ہی کہیں نظر آئے۔

سرو

سرودِ سینا

ہاں مرے حُسنِ تخیّل کی وہ جنّت ہے یہی
شاعری کی اوّلیں خوابِ محبّت ہے یہی

یاد ہے روزِ ازل کا مجھ کو منظر یاد ہے
حشر در آغوش اس دن سے برابر یاد ہے

یاد ہے کس کا تبسّم جگمگایا تھا یہاں
کس کے جلووں نے فضاؤں کو جگایا تھا یہاں

یاد ہے پھوٹی تھی جب پہلی کرن مہتاب کی
بچھ گئی تھی ظلمتوں پر ایک تہ سیماب کی

یاد ہیں بکھری ہوئی تا آسماں رنگینیاں
بیکراں سیلِ تبسّم ، بیکراں رنگینیاں

بیکراں طوفانِ مے تھا ، بے کراں فیضِ بہار
چاندنی تابانیوں کا بحرِ ناپیدا کنار

آبجو چھوٹی سی، سیلِ نور لے کر آئی تھی
یا مرے ظلمت کدے کی آرزو بر آئی تھی

دیکھتا تھا میں کنارے آبِ جو سے بار بار
عالمِ خوابیدہ کی وہ اوّلیں صبحِ بہار

شاہدِ فطرت کی وہ سب پے بہ پے انگڑائیاں
جن سے بکھری جا رہی تھیں ہر طرف رعنائیاں

گنبدِ مینا تھا جن کے عکس سے ہر کوہسار
حلقۂ آغوش میں کھینچے ہوئے روحِ بہار

جن کے جلووں سے اجاگر چھوٹی چھوٹی وادیاں
ظلمتوں کی وسعتوں میں نور کی آبادیاں

جلوہ بن کر تھیں جو ہر پردہ اٹھانے کے لئے
شاخِ گل پر حسن کو عریاں بنانے کے لئے

کھولتے تھے آنکھ جن کی گود میں صحرا کے پھول
جن کے گہوارے میں خود فطرت کا ہوتا تھا نزول

سادگی، معصومیت، شرم و حیا، دوشیزگی
سانس جب لیتی تھی ہر ذرّے میں دیوی نُور کی
حُسن تب سرمستیاں لے کر اُترتا تھا یہاں
اپنے آئینہ میں پیروں تک سنورتا تھا یہاں

لالہ وگُل بن کے کوسوں تک بکھرتی تھی شراب
اور اُس دریا کی موجوں میں نکھرتی تھی شراب
شاہدِ فطرت کے جلوے عام تھے پردا نہ تھا
حُسن کو اندازِ سازِ دلبری آیا نہ تھا

دیدۂ عالم نے سامانِ الم دیکھا نہ تھا
یعنی روئے دہر سے پردہ ابھی اُٹھا نہ تھا
اور اِس رنگین وادی میں رہا کرتا تھا میں
خوابِ بیداری کی موجوں میں بہا کرتا تھا میں

سونامرگ
(کشمیر)

حبابِ رنگیں

آئینۂ نظر میں ہے آفتابِ رنگیں
یا موجِ زندگی پر رقصاں حبابِ رنگیں

جلووں میں کھیلتا ہے کس کا شبابِ رنگیں
خود ضو فشانیاں ہیں گویا حجابِ رنگیں

دنیائے آرزو میں پرواز کرتے کرتے
شاید نکھر گیا ہے میرا شبابِ رنگیں

یا سادگی میں کچھ کچھ شوخی جھلک گئی ہے
یا برف بن گئی ہے یکسر شرابِ رنگیں

یا جامِ آسماں سے ، دورِ مئے رواں سے
ہنگامِ بے خودی میں چھلکی شرابِ رنگیں

موجِ نظر سے یا پھر ، تھوڑا سا رنگ لے کر
گُل ریز کر لیا ہے اپنا نقابِ رنگیں

یہ منظرِ تجلّی قائم تو کیا رہے گا
ظلمت کدہ ہمارا رنگیں بنا رہے گا

پیمانِ وفا

(سونامرگ سے رخصت ہوتے ہوئے)

موجوں کے زیر و بم سے نغمہ اُٹھا کرے گا
جو حُسن چھن رہا ہے، چھنتا رہا کرے گا

بادِ صبا کا جھونکا پیغامبر کسی کا
یونہیں کلی کلی کو رمز آشنا کرے گا

شاید یونہیں رہے گا محوِ خرام دریا
محوِ خرام رہ کر محشر بپا کرے گا

دوشیزگی اسیرِ خوابِ گراں رہے گی
نیندوں کی بستیوں میں عمرِ رواں رہے گی

کھیلا کریں گے جلوے فرشِ زمرّدیں پر
شاید عروسِ فطرت یوں ہی جواں رہے گی

قصّے بیان ہوں گے اونچی پہاڑیوں کے
موجِ خموشِ دریا افسانہ خواں رہے گی

جاری رہے گا درسِ تنویر ظلمتوں کو
سیلابِ نور اس کی بہ فشاں رہے گی

سو جائیں گی بہاریں پھولوں کے دامنوں میں
شرمندۂ تمنّا یو بخیں خزاں رہے گی

ہو جائینگی جہاں کی دلچسپیاں پرانی
اس کی کشش رہے گی اور جاوداں رہے گی

اے موجِ سندھ تیرا میں نغمہ خواں رہوں گا
تو بھی جواں رہے گی، میں بھی جواں رہوں گا

شالامار میں

مہرِ انور آسماں سے نور کی بارش کرے
غنچہ و گُل کے لئے رنگینیاں ملتی رہیں
جلوہ زارِ آبجو سے چاندنی بہتی رہے
اور ضیائیں کارواں در کارواں ملتی رہیں

صحنِ گلشن میں نسیمِ صبح کے پیغام سے
سادگی کو شوخیوں کی سرخیاں ملتی رہیں
رنگ و بو کا کھیل یونہیں تا ابد ہوتا رہے
ہر کلی کو پھول کو رعنائیاں ملتی رہیں

باغِ ہستی کو نئے سر سے جوانی ہو عطا
عارضِ گُل کو نئی گلکاریاں ملتی رہیں
رحمتوں کی بارشوں سے جگمگا اُٹھے فضا
تابشیں ملتی رہیں اور بیکراں ملتی رہیں

اپنی کشتی کو بہائے جائے چرخِ نیلگوں
میں کنارِ آبِ جو بیٹھا جہانگیری کروں

"نقش ہائے رنگ رنگ"

بازگشت

سُرورِ اِک بار پھر جذبات کو بیدار کرتا ہوں
متاعِ عقل کو رسوا سرِ بازار کرتا ہوں

بھٹک کر رہ گیا تھا خام دانائی کی راہوں میں
بُھلا دی تھی جو لذّت ملتی رہتی ہے گناہوں میں

درِ شہرت پہ کرتا تھا تمنّائے جبیں سائی
لبھاتی تھی نظر کو عارضی جلووں کی رعنائی

اسیرِ کاروانِ ہوش تھی وارفتگی دل کی
مری طبعِ رسا پابند تھی آئینِ محفل کی

تردّد تھا جنوں گہوارۂ منزل نہ بن جائے
مرا سوزِ دروں ہنگامۂ محفل نہ بن جائے

خدا شاہد ہے ہاں اپنے خدا سے پھر گیا تھا میں
زمانے کی نئی دلچسپیوں میں گھِر گیا تھا میں

مگر سینہ میں رہ رہ کر خلش محسوس ہوتی تھی
جگر یخ بستہ تھا پھر بھی تپش محسوس ہوتی تھی

مجھے رہ رہ کے وحشت کے زمانے یاد آتے تھے
محبّت اور محبّت کے بہانے یاد آتے تھے

شاہ دلگیر

عروسِ شعر نے پردہ اُٹھایا روئے روشن سے
بڑھے اہلِ نظر ساغر بکف شاخِ نشیمن سے
بقدرِ ظرف سب نے اس قدر نذریں نچھاور کیں
فضا میں ایک سیلِ نور بکھرا ان کے دامن سے

مگر اک رند نے سر مستیوں میں شان پیدا کی
سکھائی عشق کو کچھ نے کے شوخیٔ چشمِ روشن سے
بہارِ رنگ و بو میں غرق ہو کر اس طرح نکھرا
مبارک باد کے نغمے اُٹھے سینا و ایمن سے
غبارِ نور بن کر آسمانِ نظم پہ چمکا
چمکتے ہی لپٹ کر سو گیا پھر اُن کے دامن سے
جبینِ ناز میں وہ رنگ اب تک جگمگاتا ہے
اُدھر فردوس میں اک مرنے والا مسکراتا ہے

ایک شاعر کا گیت

نغمے فضائے دہر میں برسا رہا ہوں میں
روحِ حیات جسم میں دوڑا رہا ہوں میں
دل سوز و سازِ عشق سے گرما رہا ہوں میں
موسیٰ کہاں ہیں طور بنا جا رہا ہوں میں

رنگینیاں نہ کیوں ہوں مری بات بات میں
ہر سوں فضائے حسن میں کھویا رہا ہوں میں
خوں کر کے دل کو لالہ و انجم کے داغ میں
ذوقِ فنا زمانہ کو سکھلا رہا ہوں میں

کافور ہو گی ظلمتِ شب بزمِ عشق سے
نورِ سحر سے سینہ کو چمکا رہا ہوں میں
غیروں نے جن یگانوں کو بیگانہ کر دیا
منزل کے پاس ان کو لئے آ رہا ہوں میں

اس باغ میں وہ گل وہ عنادل نہیں رہے
بسمل ہلاکِ شوخیِ قاتل نہیں رہے

دل صیدِ حسرتِ قفس و دام ہو چکا
بزمِ طرب میں شغلِ مے و جام ہو چکا

طولِ شبِ فراق سے گھبرا گیا ہے دل
برسوں وصالِ یار میں ناکام ہو چکا

میں آستانِ یار پہ خود چل کے جاؤنگا
یہ انتظارِ نامہ و پیغام ہو چکا

سینے کو اپنے راز کا مدفن بناؤں گا
بدنام کر کے یار کو بدنام ہو چکا

آنسو ثباتِ عزم کی گرمی سے جل نہ جائیں
رو رو کے خوب شکوۂ ایّام ہو چکا

ہمت کو جستجو کی بلندی سکھاؤں گا
برسوں اسیرِ شکوۂ آلام ہو چکا

پوشیدہ ہر غبار میں کچھ کارواں تو ہیں
خاکسترِ جنوں میں بھی چنگاریاں تو ہیں

رازِ حیاتِ قوم پہ افشا کریں گے ہم
سینے کے داغ انجمن آرا کریں گے ہم

چھائی ہوئی ہے بزمِ محبت میں تیرگی
جلوے کہیں سے لیں گے اُجالا کریں گے ہم

برسوں ستم کشِ بتِ صبر آزما رہے
اب اپنے دل سے عرضِ تمنا کریں گے ہم

اُن کا حجاب مانعِ دیدار ہی سہی
جلوے ہر اک حجاب سے پیدا کریں گے ہم

رُسوا کریں گے اُس نگہِ فتنہ ساز کو
اک اور حشر حشر میں برپا کریں گے ہم

آؤ سر نیاز کے جوہر دکھا نہ دیں
کب تک کسی کے ناز اُٹھایا کریں گے ہم

دنیائے آرزو میں وہ منظر بنائیں گے
ہر دل میں اپنے واسطے اک گھر بنائیں گے

سوئی ہوئی فضا کو جگائے گی شاعری
بجلی خموشیوں پہ گرائے گی شاعری

دنیائے دل میں گونج چکے نغمہ ہائے حسن
اب عشق کا پیام سنائے گی شاعری

برسوں رہے اسیر فریب مجاز میں
پردے حقیقتوں سے اٹھائے گی شاعری

مٹ جائے جس سے تلخیٔ دوراں کی یاد سب
وہ جامِ خوش گوار پلائے گی شاعری

روحِ عمل ملے گی صداقت کے جام سے
بیداریاں اٹھیں گی ہمارے پیام سے

صبحِ بہار

اللہ اللہ منظرِ رنگینیِ صبحِ بہار
فرش سے تا عرش ہے نورِ ازل آئینہ دار

دیدۂ مشتاق کی جنّت ہے یا جانِ نظر
کیفیاتِ ذوقِ بے پایاں پہ احسانِ نظر

یہ خبر صبحِ درخشاں کی زبانی آئی ہے
گود میں رعنائیاں لے کر جوانی آئی ہے

جلوہ ہائے حسن سے ساری فضا معمور ہے
یہ نظارہ دیکھ کر ذوقِ نظر مسرور ہے

بے خودی سی اک فضائے دہر پر چھائی ہوئی
یعنی دنیائے محبت میں بہار آئی ہوئی

صحنِ گلشن میں تبسم آفریں بادِ بہار
قطرۂ شبنم سے دُھل کر عارضِ گُل کا نکھار

صبحِ صادق دل کو پیغامِ مسرّت لائی ہے
عرصۂ عالم میں فطرت مسکراتی آئی ہے
مست کرتی ہے یہاں ہر گام پر بانگِ ہزار
پتّے پتّے پر یہاں قربان ہے یادِ بہار

صحنِ گلشن میں اِدھر خونِ شہیداں لالہ کار
اُس طرف سیماب کی رو میں شعاعیں زرنگار
موجِ دریا بن گئی ہے ایک چشمہ نور کا
وادیٔ ایمن میں یا بہتا ہے دریا نور کا

گدگداتی ہیں نسیمِ جانفزا کی شوخیاں
چھیڑ دیتی ہیں دبے ارماں ہوا کی شوخیاں
بلبلِ شوریدہ کا سازِ ترنّم دیکھنا
غنچۂ نورستہ کے لب پر تبسّم دیکھنا

طائرِ شیریں نوا کہنے کو بستے ہیں یہاں
ہر شجر سے، شاخ سے نغمے برستے ہیں یہاں

پھول کیا برسا رہا ہے گلستاں رنگ و بُو
لُٹ رہی ہے صحنِ گلشن میں دکانِ رنگ و بُو

اس گھڑی سب حُسن کی رعنائیاں ہیں بےحجاب
شاہدِ فطرت نے خوش ہو کر الٹ دی ہے نقاب

یا تخیّل کی بلندی سے اُتر آیا ہے حُسن
باغِ جنّت سے بہاریں مانگ کر لایا ہے حُسن

یا کسی کے جلوہ ہائے ناز کا اعجاز ہے
یا مرے ذوقِ نظر کی آخری پرواز ہے

چند لمحے کی مگر مہماں ہے یہ محبوبیت
عارضی ہے یہ مسرّت عارضی یہ کیفیت

دن کی گرمی آہ ہر گُل پر قیامت ڈھائے گی
دھوپ سب گلشن کی رنگینی اڑا لے جائے گی

ہاں مگر شاعر قیودِ عام سے آزاد ہے
یہ بہارِ صبح اس کے قلب میں آباد ہے

پروازِ خیال

(ایورسٹ کی بلندی سے)

فضائے دہر سے پرواز کر گیا ہوں میں
جہاں کو ایک بلندی سے دیکھتا ہوں میں

کمالِ شوقِ تصوّر کی انتہا ہوں میں
بلند ہو کے فضاؤں میں مل گیا ہوں میں

نظر کے سامنے استادہ ہے طلسمِ حیات
تمام دیدۂ حیرت بنا ہوا ہوں میں

ہر ایک سمت سے ہوتی ہے نور کی بارش
ہر ایک سمت سے جلووں میں گھر گیا ہوں میں

نظر فروز مناظر، نظر نواز فضا
سکوتِ حُسن کی تصویر دیکھتا ہوں میں

عروج دے کے ہر انسان کے تخیّل کو
سوادِ عرش سے نزدیک ہو گیا ہوں میں

یہ سامنے ہیں فضائیں بسیط و لامحدود
اِدھر خود اپنی نظر میں گھرا ہوا ہوں میں
عجب خروش سے ہر کوہ و دشت و وادی میں
ہوا کے رقص کا پیغام سُن رہا ہوں میں

بشر کی زیست ہے سرگرمِ جستجو رہنا
تلاشِ حق کے لئے وقفِ آرزو رہنا

نظر پہ ظلم ہے محدودِ آسماں ہونا
پیامِ مرگ ہے پابندِ آشیاں ہونا

مچل رہی ہے فضاؤں میں دعوتِ پرواز
کسے قبول ہے تاروں کا رازداں ہونا

عطا ہوئی جسے روحِ عمل کی آزادی
اُسے روا نہیں پابندِ جسم و جاں ہونا

اسیرِ شیوۂ دلداریٔ فنا کیا خوب
خدا نے ہم کو سکھایا ہے جاوداں ہونا

بقا کا راز نہاں سعیٔ ناتمام میں ہے
کمالِ شوق میں ہی کوششِ دوام میں ہے

"وہ موتی کہ ہے آبروئے سمندر"

(مسوری کی ایک یادگار)

سرِ شام میں سیر کو جا رہا تھا
نظر میں تھا سارا مسوری کا منظر

فضاؤں میں رقصاں تھے بادل کے ٹکڑے
مرے دل میں اُٹھتی تھیں لہریں برابر

بہت دور تک نور پھیلا ہوا تھا
بہت دور تک یوں کھِلے تھے گُلِ تر

نگاہوں میں اک روشنی دوڑتی تھی
فضا سے وہ چھنتے تھے جلوے برابر

شفق نے جو خونِ شہیداں ملا تھا
گُلابی سے تھے افلاک کے بام اور در

مہِ نو کی وہ ہلکی ہلکی ضیائیں
وہ کچھ شرم چھائی ہوئی شوخیوں پہ

رگوں میں لہو تیز تر دوڑتا تھا
مگر رنگ لایا نہ تھا قلبِ مضطر

یکایک وہاں میری آنکھوں نے دیکھا
گلستانِ خوبی کا اک غنچۂ تر

نگاہوں کا ارماں مرادوں کی جنّت
تبسّم کی دنیا، بہاروں کا پیکر

بساطِ جوانی پہ اک نقشِ رنگیں
کمالِ لطافت کا نایاب منظر

وہ گل ہائے عارض کہ صبحِ تجلّی
وہ حسنِ خراماں کہ قربانِ محشر

مہِ چرخ سے روئے روشن مصفّا
شبِ تار سے زلفِ مشکیں سیہ تر

اداؤں میں رنگینیاں کھیلتی تھیں
ضیاؤں سے چھنتے تھے جلوے برابر

عجب ناز سے ہر طرف دیکھتی تھی
دلوں پر گراتی ہوئی برق مضطر

ترنّم سے بیدار روحوں کے نغمے
تبسّم سے سب لامکاں تک منوّر

ابھی تک جھلکتا ہے اشکوں میں میرے
وہ موتی کہ ہو آبروئے سمندر

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

سر لئے بیٹھا ہوں میں سودا لئے بیٹھا ہوں میں
ساری دنیا سے الگ دنیا لئے بیٹھا ہوں میں

تابکے یہ دُر فشانی، تابکے دامن کی خیر
آنسوؤں کا نام ہے، دریا لئے بیٹھا ہوں میں

کوئی دیکھے تو مرے جوشِ جنوں کی وسعتیں
اپنے گھر میں وحشتِ صحرا لئے بیٹھا ہوں میں

خاک کیا میں نے تو خاکستر بنا لی زندگی
دل نہیں دل میں کوئی شعلہ لئے بیٹھا ہوں میں

لاؤ دیکھوں تو اُٹھا کر روئے روشن سے نقاب
کس لئے یہ دیدۂ بینا لئے بیٹھا ہوں میں

جو مجھے تیرے سوا ہر شے سے کر دے بے نیاز
اپنے پہلو میں وہ استغنا لئے بیٹھا ہوں میں

شوقِ بے پایاں، خلشِ پیہم، نظرِ انجم شکار
کیا بتاؤں آپ کو کیا کیا لئے بیٹھا ہوں میں

چاندنی رات

اللہ اللہ کس قدر خاموش ہے سازِ حیات
پُر سکوں نیندوں کی گودی میں یہ ہی ہے کائنات

آسمانوں سے غلافِ ابر چھٹ جانے کو ہے
ذرّے ذرّے کی نگہ میں روشنی آنے کو ہے

چھیڑتا ہے اس طرح کلیوں کو طوفانِ شباب
رنگ کے بدلے رگِ گُل سے اُبلتی ہے شراب

جس کو دیکھو آج مے خانہ میں یوں سرشار ہے
روحِ شاعر وجد کرتی ہے نظر بیدار ہے

مضطرب نغمے، سکوتِ شب میں آرامیدہ ہیں
دن نے جو فتنے جگائے تھے وہ سب خوابیدہ ہیں

چاندنی آوارہ دشت و بیاباں سے سُرور
چاندنی سے محفلِ انجم گریزاں سے سُرور

چاندنی فطرت کے ذوقِ جستجو کا نام ہے
چاندنی میری تمنا کی طرح ناکام ہے

چاندنی اک رقصِ سرمستی ہے سیلِ نور کا
چاندنی کی رو میں بہتا ہے سفینہ طور کا

چاندنی گویا حیاتِ مختصر کی آبرو
ایک جلوے میں لئے سارے زمانہ کا لہو

چاندنی خاموش لیکن اس کے جلوے بیقرار
تیز ہو جاتا ہے نبضِ لالہ میں خونِ بہار

خون کے بدلے رگوں میں دوڑتی ہیں بجلیاں
خانۂ دل میں اترتا ہے فرازِ لامکاں

لذّتوں میں کھیلتا ہے اس طرح میرا شباب
جگمگائے جس طرح موجوں کے سینے پر حباب

میرے خوابوں میں رہا کرتی ہے مل کر چاندنی
واں تو کمتر چاندنی ہے یاں برابر چاندنی

حکیم

کون و مکاں کو میں نے خرد سے کیا اسیر
پہچانتی ہیں مجھ کو فضاؤں کی وسعتیں
ہوتا نہیں شکار مگر رازِ کائنات
ہیں ناتمام سی مرے دل کی مسرتیں

شاعر

تیرے نظامِ ہوش میں کیفِ جنوں بھی ہے؟
اشکوں میں بھی ہیں گریۂ غم کی حرارتیں؟
دل کو کبھی نصیب ہوا سوز و سازِ عشق؟
بیدار جس سے ایک نفس میں قیامتیں؟
کھلتا نہیں ہے اُس پہ کبھی رازِ کائنات
جس کی نگاہ میں نہ ہوں میری لطافتیں؟

چلدئے

جلووں سے اُن کے بزم پہ کیا کیا گذر گئی
میں پوچھتا رہا وہ خفا ہو کے چلدئے

دل میں ابھی امید بھی آنے نہ پائی تھی
تم شیوۂ وفا سے جُدا ہو کے چلدئے

محرومِ التفات کی دنیا بدل گئی
کیا تھے مری نگاہ میں کیا ہو کے چلدئے

آئے تھے امتحانِ وفا کے خیال سے
بیگانۂ وفا و جفا ہو کے چلدئے

اپنی تجلّیات کو آئینہ کر دیا
میری حقیقتوں سے سوا ہو کے چلدئے

میرا وفورِ شوق عناں گیر کب ہوا
آئے مثالِ برق ہوا ہو کے چلدئے

میں نے ابھی حضور میں کھولی نہ تھی زباں
کچھ تو سمجھ گئے جو خفا ہو کے چلدئے

دُعا

(ماخوذ از کالیوی)

مجھے بہار کی کافر جوان راتوں میں
کہیں گذرتے ہوئے گر خدا نظر آئے
تڑپ اُٹھیں تو سب ارمان دیدۂ دل کے
مگر لبوں پہ یہی اک دعا نظر آئے

"دلوں کو تو نے عزایم کی مشعلیں دی ہیں
شب بہار تجھے آئینا نظر آئے
تری نگاہ میں کونین کے نشیب و فراز
رگوں میں تجھ کو لہو دوڑتا نظر آئے

عطا ہو مجھ کو وہ روحِ دلیرانہ کہ سدا
ترے حضور بھی بے مدعا نظر آئے"

قطعات

اک ہوائے سرد اٹھی ہے فضائے دہر سے
بجھ رہے ہیں رفتہ رفتہ اہلِ محفل کے چراغ
کاش اس ظلمت کدے کی رہنمائی کے لئے
عرصۂ ہستی میں رہ جائے کوئی روشن دماغ

ذرّے ذرّے میں جو ضو تو نے چھپا رکھی ہے
اس کا ہر فتنۂ خوابیدہ جگا دے یارب
خوب یہ شام و سحر تو نے بنائے رنگیں
داستاں میری بھی رنگین بنا دے یارب

لالۂ صحرا

"شہیدِ ملت مولانا محمد علیؒ کی جد و جہد کا ایک عکس"

(۱)

یاد آتا ہے مجھے رہ رہ کے وہ شب کا سماں
وہ ہجومِ یاس میں کھویا ہوا ہندوستاں
وہ مسلماں غفلتوں کی گود میں سوئے ہوئے
ماضیِ روشن کے جلووں میں نظر کھوئے ہوئے

رہبروں کے حوصلے ہر دام میں الجھے ہوئے
فکرِ عزّ و جاہ میں بکھرے ہوئے ٹوٹے ہوئے
خونِ دل کو منجمد کرتی ہوئی ہر لب پہ آہ
آسماں کو دیکھ کر رہ جانے والی ہر نگاہ

اس قدر ہم اپنے جلووں سے تہی دامن ہوئے
نور سے اپنے حریفوں کے دئے روشن ہوئے
رفتہ رفتہ ہمتوں کا پاس بھی جاتا رہا
عظمتِ رفتہ کا وہ احساس بھی جاتا رہا

دوسروں نے پردۂ رازِ محبت وا کیا
اور ہم نے حلقۂ زنجیر سے رشتا کیا

بزمِ ہستی میں ضعیف و ناتواں بن کے رہے
ہم رہے کیا، قوم پر بارِ گراں بن کر رہے

یاں سکوں چھایا رہا واں زندگی پلتی رہی
ظلمتوں کے سائے میں تابندگی پلتی رہی

(۲)

جب بڑھیں تاریکیاں جلوے نمایاں ہو گئے
شاخ سے غنچے کھلے، کھل کر گلستاں ہو گئے

انتہا کی گود میں پھر ابتدا نے سانس لی
موت کے پردوں میں آخر جگمگائی زندگی

رفتہ رفتہ قوم میں بیداریاں ہونے لگیں
سرفروشی کے لئے تیاریاں ہونے لگیں

دعوتِ ذوقِ عمل حالِ زبوں دینے لگا
جذبۂ قومی دلوں میں چٹکیاں لینے لگا

سوزِ ملّی سے مسلمانوں کے دل گرما گئے
رہنمائے قوم بن کر سیّد احمد آ گئے

گلِ بکفِ حالیؔ نے پھر نخلِ تمنّا کر دیا
روحِ بیداری سے محفل میں اُجالا کر دیا

چھیڑ کر شبلیؔ نے سازِ اوّلیں اتنا کیا
پھر وہی نغمہ نئے انداز سے بکھرا گیا

موجۂ اقبالؔ سے وہ خونِ دل بکھرا گیا
جس نے ہر قطرے سے پیدا سیلِ صد دریا کیا

اِن اُجالوں پر مگر رنگِ شہاب آنے کو تھا
صبحِ صادق ہو چکی تھی آفتاب آنے کو تھا

(۳)

یک بیک بیداریٔ ملّت کا ساماں ہو گیا
غیب سے اِک جوہرِ قابل نمایاں ہو گیا

مادرِ فطرت کو کرنا تھا تجھے روشن ضمیر
مخلوطِ اشیائے عالم سے بنا تیرا خمیر

عالمِ بالا میں خوابیدہ جو تھا ذہنِ رسا
معدنِ دنیا کے جوہر کو ودیعت ہو گیا

مہر کی گرمی ملی، سوزِ جگر کے واسطے
بحر نے طوفاں اُٹھایا چشمِ تر کے واسطے

سلسلہ شہرت کا ہر تارِ نفس کے واسطے
ارتقائے فکرِ ذہنِ نکتہ رس کے واسطے

جرأتِ ذوقِ یقیں دل میں اُترنے کے لئے
ڈگمگانے والی لہروں میں بپھرنے کے لئے

راست گفتاری رہِ منزل دکھانے کے لئے
جوش میں ڈوبی ہوئی نبضوں کو لانے کے لئے

سرخیِ خونِ شہیداں رنگ دینے کے لئے
جوش میں بھر کر صلائے جنگ دینے کے لئے

شعریت نے ایک مشتِ خاک کو ساغر کیا
مستیِ عرفاں نے پھر رشکِ مئے احمر کیا

ماں سے سیکھا دردِ قومی جب سے آیا ہوش میں
تو پلا طفلی سے علم و فضل کے آغوش میں

(۴)

روزِ اوّل سے طبیعت مائلِ پرواز تھی
گو ابھی مستورِ بچپن میں تری آواز تھی

سوئے منزل لا رہی تھی گردشِ لیل و نہار
رفتہ رفتہ تیرے جوہر ہو رہے تھے آشکار

فکر نے سعیِ عمل کا خود نکالا راستہ
ہو چکی جب زیورِ تعلیم سے آراستہ

جب علی گڑھ کی فضاؤں میں نہ پایا کچھ اثر
سوئے مغرب لے گیا تجھ کو ترا ذوقِ نظر

بس گئے آنکھوں میں جلوے مغربی تہذیب کے
خوب مضموں ہاتھ آئے بندشِ تشبیب کے

اس طرح فکرِ فلک رس پر جلا ہوتی رہی
مائلِ رفعت تری فکرِ رسا ہوتی رہی

چن لئے اپنے لئے تو نے علومِ منتشر
خوب برتا مسلکِ خُذ مَا صَفَا دَع مَا کَدَر

(۵)

درسِ مغرب لے کے تو عازم ہوا سوئے وطن
پائے استقلال منزل کی طرف تھا گامزن

کچھ دنوں جوہر ترا یوں ہی رہا مصروفِ کار
آنے والے وقت کا کرتا رہا تو انتظار

آنکھ تیری اشکِ غم سے آشنا ہونے کو تھی
آہ ہر ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہونے کو تھی

یوں تو کہنے کو تری ہستی فنا ہونے کو تھی
واسطے ملت کے سامانِ بقا ہونے کو تھی

قوم اب تک زندگی کے نام سے محروم تھی
خفتہ قسمت زیست کے پیغام سے محروم تھی

اور حالت تھی زبوں تکلیف کے احساس سے
یہ فضا معمور تھی ساری نوائے یاس سے

داغ تھے سینے پہ کوئی دیکھنے والا نہ تھا
تھی وہ پستی کوئی سطحِ عام سے بالا نہ تھا
منتظر تھے لوگ اک بانگِ درا کے واسطے
کارواں ٹھیرا ہوا تھا رہنما کے واسطے

(۶)

تو نظر آیا جو مردِ منتظر میدان میں
قوم کے دم میں دم آیا جان آئی جان میں
خاکِ پا سے اپنی ہر ذرّے کو تابندہ کیا
اے مسیحا تو نے مُسلم لیگ کو زندہ کیا

قوم میں جوشِ عمل کا ہر طرح فقدان تھا
جنگِ آزادی میں مُسلم بے سروسامان تھا
کامرِیڈ کا تو نے لہرایا فضاؤں میں علم
سارے اجزائے پریشاں ہو گئے آ کر بہم

ملّتِ بیضا کا اک ہمدم ترا ہمدرد تھا
زخمِ دل کے واسطے مرہم ترا ہمدرد تھا

قلب میں محفوظ تھا اب تک جو پیغامِ حیات
آ گیا ملت کے حق میں لے کے انعامِ حیات

ہر تکلف تھا دردِ دل کی ترجمانی کے لئے
ہو گیا مشہور تو جادو بیانی کے لئے

شاعری نے تازگی بھر دی ترے پیغام میں
زندگی رقصاں نظر آئی ترے ہر جام میں

اس طرح تو نے جگایا نغمۂ بیدار سے
گونج اٹھا ہند تیرے ساز کی جھنکار سے

(۷)

جنگِ آزادی میں تیری سرفروشی یاد ہے
دل بڑھانے والی ساری گرم جوشی یاد ہے

حریت کے ہم کو سب اگلے مناظر یاد ہیں
جلوۂ صادق کے وہ سارے مظاہر یاد ہیں

حکمراں کی چیرہ دستی، سلطنت کی ساحری
بن گئی فرعونیت کی ایک جنگِ زرگری

آتشِ شوق اور بھڑکی جبر و استبداد سے
اور نکھرا زخمِ دل کا خنجرِ بیداد سے

مشکلیں سعیِ عمل کو تازیانہ بن گئیں
مائلِ پرواز ہمت کو بہانہ بن گئیں

لذتِ غم میں ستم کے اس قدر خنجر اُٹھے
ابروؤں پر بل نہ آیا یار تو بہ کر اُٹھے

قومِ مسلم کے لئے سب کچھ گوارا تھا تجھے
جیل کا ایک ایک گوشہ گھر سے پیارا تھا تجھے

سختیاں تو نے اٹھائیں جھڑکیاں تو نے سہیں
آفریں تجھ پر کہ ماتھے پر شکن آئی نہیں

مدتوں تک پائمالِ سختیٔ زنداں رہا
دورِ حاضر میں مثالِ یوسفِ کنعاں رہا

(۸)

چاند محفل سے نکل کر رونقِ محفل ہوا
تو سریر آرائے بزمِ کاروانِ دل ہوا

تھا سراپا شوق کب سے کارواں تیرے لئے
تک رہے تھے راہ منزل کے نشاں تیرے لئے

قومیت کی روح نے آواز دی ہر گام سے
اس قدر بیداریاں بکھریں ترے پیغام سے

دل نئے انداز سے سینوں کو گرمانے لگے
اک نئی امید کے ساماں نظر آنے لگے

اب یہ نظریں اس افق سے بھی پرے جانے لگیں
ہمتوں کو اک فضائے نو میں بہلانے لگیں

وہ فضا جس میں ہماری عظمتیں موجود ہیں
ماضیِ روشن کی ساری رفعتیں موجود ہیں

وہ بلندی جو نژادِ نو کا گہوارہ بنے
سرخیِ خونِ شہیداں جس کا فوارہ بنے

خواب جس کی قومیت کی زندگی کا نام ہے
جس کے آئینے میں عکسِ جلوۂ اسلام ہے

تیری نظروں سے حجاباتِ نظر وا ہوگئے
اب وہ جلوے ایک عالم کو تماشا ہوگئے

(۹)

تیرہ بختوں پر مگر کچھ خیرگی سی چھاگئی
دل کی دھندلی آرزو میں تیرگی بھڑکا گئی

ہم نشیں نے شب کو خونِ آرزو اتنا کیا
کشتۂ شمعِ بزم سے برسوں دھواں اٹھا کیا

ایک دن دشوار راہِ مدعا کو دیکھ کر
تونے بھی اپنی روش بدلی فضا کو دیکھ کر

عقدہ حل ہونا جو یاں مشکل نظر آنے لگا
تو بھی پھر آسودۂ ساحل نظر آنے لگا

ہند میں جب ہاتھ سے امید کا دامن گیا
تو دوائے دردِ دل کے واسطے لندن گیا

ہائے تیرے اس طرح جانے میں بھی اک راز تھا
قلبِ آئینہ سے جو ہر مائلِ پرواز تھا
کیا خبر تھی یوں بھی مرگِ ناگہانی آئے گی
ساتھ لینے کو حیاتِ جاودانی آئے گی

(۱۰)

مرتے مرتے بھی دکھا دی تو نے سب کو شانِ حق
قصرِ باطل کانپ اٹھا سن کر ترا اعلانِ حق
مشکلیں پیش آئیں لاکھوں گو دلِ بیمار کو
قومیت کا راستہ دکھلا دیا اغیار کو
دے چکا جب ساری دنیا کو پیامِ زندگی
ہو گیا لبریز جوہر کا بھی جامِ زندگی
ذرّہ ذرّہ ہند کا سن کر جسے مدہوش تھا
آہ وہ نغمہ ہمیشہ کے لئے خاموش تھا
جس کی تابانی سے بزمِ زندگی روشن ہوئی
آہ وہ شمع اپنے جلووں سے تہی دامن ہوئی

ساحلِ دریا کے ہر ذرّے کو لاکر ہوش میں
موجِ مضطر سو گئی پھر بحر کی آغوش میں

(۱۱)

ہم نے یہ مانا کہ لیڈر ہند میں اور آئیں گے
قوم کو راہیں ترقی کی نئی دکھلائیں گے

اُٹھنے والے ہیں وطن کی خاک سے رہبر بہت
چشمِ بینا کے لئے ہوں گے نئے منظر بہت

باغباں اور آئیں گے اس گلستاں کے واسطے
فکر تنکوں کی کریں گے آشیاں کے واسطے

راگ نکلیں گے ابھی لاکھوں ہمارے ساز سے
نغمہ زن ہوں گے نئے مطرب نئے انداز سے

چارہ گر آئیں گے اکثر چارہ سازی کے لئے
اور ساقی ہوں گے اس بزمِ مجازی کے لئے

عقدہ ہائے راز کو اہلِ نظر سلجھائیں گے
قوم کو ہر بات کی باریکیاں دکھلائیں گے

بزمِ عالم میں مگر تیری فطانت اب کہاں
وہ محبّت وہ پرستارِ محبّت اب کہاں

(۱۲)

اُٹھ گیا دنیا سے تو ثانی ترا ملتا نہیں
آج دل کا اپنے پہلو میں پتا ملتا نہیں
تو گیا کیا اپنی محفل سے حمیّت اُٹھ گئی
عرصہ گاہِ دہر سے روحِ محبّت اُٹھ گئی

مرد پھر دل ہو رہے ہیں کون گرمائے ہمیں؟
کون تقریروں سے اپنی جوش میں لائے ہمیں؟
کون تحریروں میں چمکائے تڑپتی بجلیاں؟
چادرِ ظلمت کی پل بھر میں اُڑا دے دھجّیاں؟

ہمتّوں کو کون اُڑا لے جائے سوئے لامکاں؟
کون بخشے اِن زمینوں کو فرازِ آسماں؟
کون اس آذر کدے کا بُت شکن کہلائیگا؟
قہرِ استعماریت پر بجلیاں برسائیگا؟

یاد تیری دل میں ہے گو تو نظر سے دور ہے
خوں فشاں اب تک ترے غم میں دلِ رنجور ہے

(۱۴)

آہ جوہر تیرا ماتم آج عالم گیر ہے
ثبت اوراقِ زمانہ پہ تری تحریر ہے

تیرا مرنا دین کی تقدیس کا حامل ہوا
اس لئے بیت المقدس آخری منزل ہوا

تیری تربت گو وطن سے آج کوسوں دور ہے
چشمِ مسلم پھر بھی اس احساس سے مسرور ہے

تیرا مرقد اک صلہ ہے سعیِ پیہم کے لئے
دعوتِ ذوقِ عمل ہے ایک عالم کے لئے

یعنی یک جہتی کے شعلے آج ہر سینے میں ہیں
منتشر ہو کر بھی جلوے ایک آئینے میں ہیں

دامنِ صحرا ہے اب بھی غنچۂ گل سے نہال
دیدۂ فاروق میں اب بھی ہے تکریمِ بلال

لٹ گئی مینا مگر رندیں ابھی تک شاد ہیں
اپنے زندانی ابھی ہر قید سے آزاد ہیں

(۱۴)

اے کہ ہے اسلامیوں کا رہنما تیرا اعتبار
بجلیاں اب بھی لئے ہے تیری تیغ آبدار

شعلے جو خوابیدہ اب تک تیری خاکستر میں ہیں
حدتیں اُن کی مسلماں کے دلِ مضطر میں ہیں

نقش اپنے دیدۂ دل پر وہی تحریر ہے
گوشِ دل اب تک انھیں نغموں سے لذت گیر ہے

کارواں اب سوئے منزل گامزن ہونے کو ہے
محفلِ عشرت ہماری انجمن ہونے کو ہے

یہ نہالِ تازہ تیرا بارور ہونے کو ہے
لالہ زارِ ہند فردوسِ نظر ہونے کو ہے

سیل مے میں ہر خم و جام و سبو بہنے کو ہے
سینۂ گلشن پہ پھولوں کا لہو بہنے کو ہے

جب نظر آئے گا ساحل کا کنارہ دور سے
نعرۂ تحسین اُٹھے گا فضائے نور سے

"سفر ننگ چشم میں بھی تیرتی ہے حسن کی دنیا"

تغزّل

(۱)

مجھے ہے جستجو اُن آسمانوں کی زمینوں کی
نظر مشکل سے جاتی ہو جہاں بالانشینوں کی

ہزاروں لولوئے لالا لئے بیٹھے ہیں سینوں میں
رسائی دیکھنا طوفانیوں کے تہ نشینوں کی

دلِ یخ بستہ کی گہرائیوں سے زندگی اُمڈے
اگر ہم فاش کر ڈالیں حرارت اپنے سینوں کی

چمن میں اک حبابِ رنگ کے کانٹے پہ تلتی ہے
محبّت باغباں کی اور محبت خوشہ چینوں کی

نمودِ حسن میں حُسنِ تخیل کے سوا کیا ہے
حجاباتِ نظر ہیں آبرو محمل نشینوں کی

ہر اشکِ چشم میں بھی تیرتی ہے حُسن کی دنیا
ستارے بھی تو گردِ راہ ہیں ان مہ جبینوں کی

نکھرتے ہیں مرے آئینہ میں ہر رنگ کے جلوے
مری مینا میں سرخی ہے ہزاروں آبگینوں کی

(۲)

اٹھتا ہوں رفعتوں میں جو لے کر نگاہ کو
تارے اُٹھا لیتے ہیں مری گردِ راہ کو

دل میں بسا تو لوں تری شب ہائے ماہ کو
پھر ظلمتوں سے کام پڑے گا نگاہ کو

خود ہی ثباتِ عزم مسرّت بدوش ہے
میں کُفر جانتا ہوں نشاطِ گناہ کو

اُس کے لہو سے ہو گئے کونین لالہ زار
روتی رہی یہ بزم شہیدِ نگاہ کو

سرمستیوں میں ڈوب گئی کائناتِ عشق
پھر چھیڑیئے ذرا خلشِ جلوہ خواہ کو

ویرانیٔ بساط کا نشتر لگائیے
محفل ترس گئی المِ گاہ گاہ کو

کم ہیں نشاطِ روح کی گہرائیاں سرورؔ
دعوتِ نگاہ کو نہیں دعوت گناہ کو

(۳)

قیامت تک رکھا لپٹا ہوا جیبِ گریباں میں
ذرا سا اک مرے جوشِ جنوں نے سر اُٹھایا تھا

نہ سمجھے رنگ و بو کے کھیل میں کُھل کھیلنے والے
جہانِ حسن میرے آنسوؤں میں جگمگایا تھا

بکھرتے ہیں وہ جلوے آج تک رنگِ شفق بن کر
سنا ہے خواب میں اک بار شاعر مسکرایا تھا

بہار آئی ہے تازہ ہو رہے ہیں زخم ہر دل کے
یہ ہنگامہ تو میری شورشِ دل نے اُٹھایا تھا

حریمِ ناز میں اُن کو کسی کی یاد آئی تھی
شبِ غم ایک جلوے نے فضاؤں کو جگایا تھا

خوشا وہ زندگی جب تیرے ارمانوں کی محفل میں
مرے ہر سانس نے روحِ محبت تام پایا تھا

لبوں پر چاشنی باقی، نظر میں مستیاں رقصاں
مرے آغوش میں کس کا تبسّم جگمگایا تھا

(۴)

جہاں ہیں ظلمتوں کے سائے ہیں تابانیاں روشن
اسی در پر مری موجِ نظر کی آزمایش ہے

مرا جوشِ جنوں اٹھا تو ہے کچھ شورشیں لے کر
تمہارے حلقۂ شام و سحر کی آزمایش ہے

ابھی تک خاکِ دل سے گلستاں تعمیر ہوتے ہیں
جگر کی، قطرۂ خونِ جگر کی آزمایش ہے

جنون و ہوش سب کہنے کی باتیں ہیں غرض یہ ہے
کہ اپنے عاشقِ شوریدہ سر کی آزمایش ہے

ہجومِ رنگ و بو میں کھو گئے ہیں یار کے جلوے
سرورا اٹھو کہ اربابِ نظر کی آزمایش ہے

(۵)

آئینۂ نظر میں کوئی جلوہ گر تو ہو
ہم جگمگا اٹھیں گے کسی کی نظر تو ہو

یہ عالم مجاز حقیقت نگر تو ہو
یعنی حریمِ ناز میں میرا گذر تو ہو

سنتے ہیں ہو رہا ہے زمانہ میں انقلاب
لیکن اس انقلاب کی ہم کو خبر تو ہو

آجائیں گی خود آپ کے جلووں میں تابشیں
نظّارہ جگمگائے گا ذوقِ نظر تو ہو

یہ عرصۂ حیات ہماری نظر میں ہے
اس عرصۂ حیات پہ تیری نظر تو ہو

اُڑ جاؤں لے کے ساری متاعِ جنون ہوش
لیکن ترے خیال سے دل بے خبر تو ہو

میں رازدارِ حُسن نہیں رازِ حُسن ہوں
اک آشنائے راز کو میری خبر تو ہو

یہ عرصۂ حیات فریبِ نگاہ خوب
اہلِ نظر کے پاس ہماری نظر تو ہو

اُٹھا ہے بزمِ یار سے طوفانِ بیخودی
لیکن کہیں نگاہ محبّت اثر تو ہو
افسانۂ وفا مرا رنگیں سہی سرود
بسکر نگاہِ حُسن میں رنگین تر تو ہو

(۶)

جہانِ حُسن میں کچھ انقلاب ہو نہ سکا
شباب آپ کا میرا شباب ہو نہ سکا
ہزار بار اُٹھا شعلۂ نظر بن کر
نظارہ آپ بھی اپنا جواب ہو نہ سکا
خود اپنے جلووں میں کھوئے رہے نظر والے
یہ ذرّہ ذرّہ رہا آفتاب ہو نہ سکا
حجاب حُسن میں ہے حُسن بھی حجاب میں ہے
جو ذرّہ ذرّہ ہوا آفتاب ہو نہ سکا
نظارہ کس لئے ذوقِ نظر کا ہے محتاج
یہ وہ سوال تھا جس کا جواب ہو نہ سکا

ہزار دور سے گذرا کیا یہ دورِ حیات
مگر کبھی ترا جامِ شراب ہو نہ سکا

مری خودی میں رہی میری بیخودی حائل
نقاب اُٹھا نہ سکے تم حجاب ہو نہ سکا

حجاب لاکھ اُٹھائے گئے مگر پھر بھی
حضورِ حُسن میں دل باریاب ہو نہ سکا

اسے ملی نہ نگاہِ قبول کی گرمی
یہ ذرّہ ذرّہ رہا آفتاب ہو نہ سکا

مری نگاہ میں ننگِ جہانِ الفت ہے
وہ دل جو راہِ وفا میں خراب ہو نہ سکا

(۷)

نقاب تم تو اُٹھا چکے ہو، حجاب میں بھی اُٹھا رہا ہوں
جو میری نظریں ہی دیکھتی تھیں، نظر نظر کو دکھا رہا ہوں

وہ روشنی ہو رہی ہے دل میں کہ محفلیں جگمگا رہا ہوں
کوئی مجھے دیکھتا رہا ہے، کسی کو میں دیکھتا رہا ہوں

مجھے خبر کیا، مجھے غرض کیا، نظر بھی تم آؤ یا نہ آؤ
خیال میں جلوہ گر رہے ہو، خیال کو دیکھتا رہا ہوں
جمالِ رنگیں کی لذتوں میں اِک آرزو جگمگا رہی ہے
ابھی تو وہ مسکرا رہے ہیں، ابھی تو میں یاد آ رہا ہوں
بھڑک رہے ہیں اور بجلیوں سے مری متاعِ یقیں کے شعلے
میں خاکِ ہر آشیاں سے یعنی بنائے نو ڈالتا رہا ہوں
خود اپنی رعنائیِ نظر میں تمام کھوئے رہے وہ جلوے
میں اپنے خوابوں میں رنگ دے کر اک اور دنیا بنا رہا ہوں
کچھ اس طرح ہوش کھو گئے ہیں کہ سب بلا نوش ہو گئے ہیں
انھیں مئے تلخ چاہئے ہے میں آنکھیں کیوں پلا رہا ہوں

(۸)

کوئی مجھے بتائے کہ دنیا کہاں رہی
میری نظر کہ اُن کی نظر میں نہاں رہی
پروردۂ بہار رہی گُل فشاں رہی
تیرے خیال ہی سے محبت جواں رہی

آئینۂ نظر میں تم آئے چلے گئے
امید کی جھلک جو رہی جاوداں رہی

رعنائیِ خیال میں تم جلوہ گر رہے
رنگین بن کے میری تمنا جواں رہی

اللہ رے نازِ حسن کہ جلوہ گری کے بعد
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں تجلی کہاں رہی

کس کی نظر کا رنگ ہماری نظر میں تھا
مقبول بارگاہ رہی یہ جبیں جہاں رہی

محفل جمالِ یار سے رنگین ہو گئی
کس درجہ دلفریب یہ داستاں رہی

(۹)

آؤ ہجومِ شوق کی تابانیوں کے ساتھ
منظر بدل رہے ہیں پریشانیوں کے ساتھ

ہوش و خرد کی لاکھ نگہبانیوں کے ساتھ
دل لے گیا ہمیں تری نادانیوں کے ساتھ

ذوقِ نظر کو لیکے کہیں بک نہ جائیں ہم
نظّارۂ جمال کی ارزانیوں کے ساتھ

اب دیکھتے ہیں اپنے ہی جلووں میں تابشیں
یہ روشنی تو ہے تری تابانیوں کے ساتھ

مایوسیوں میں جان سے جانا بھی کفر ہے
دعویٰ وفا کا اور تن آسانیوں کے ساتھ

اک بار اور اپنی اداؤں کا عکس ڈال
آئینہ ہم کنار ہے حیرانیوں کے ساتھ

دنیا الگ بنا تو رہے ہو سرورؔ تم
یہ کھیل اور اُن کی جہانبانیوں کے ساتھ

(۱۰)

پردے میں ہیں کبھی تو کبھی پردہ در کے ساتھ
اللہ! آپ کھیل رہے ہیں نظر کے ساتھ

وہ دن گئے کہ دل ہی فقط لالہ زار تھا
غیرت بھی خوں میں ڈوب گئی چشمِ تر کے ساتھ

اب ہر جبیں پہ سجدے کے میرے نشاں ہیں
لپٹا ہوں اس طرح ترے دیوار و در کے ساتھ

وہ کھیلتے ہیں میری متاعِ حیات سے
میں کھیلتا ہوں حلقۂ شام و سحر کے ساتھ

میرا جنوں کہ وسعتِ صحرا پسند تھا
سیراب ہو گیا تری موجِ نظر کے ساتھ

ہر ذرّہ سے خراجِ وفا مانگتا رہے
وہ عہد بندھ گیا ہے تری رہگذر کے ساتھ

کیسا توازنِ غمِ عقل و سرورِ عشق
چھوڑو بھی شوخیاں دلِ شوریدہ سر کے ساتھ

(۱۱)

آؤ تمھیں دکھائیں بہاروں کی آرزو
جلووں کی کائنات نظاروں کی آرزو

تیری نگاہِ لطف سے وابستہ ہو چکی
میری ہی کیا جہاں میں ہزاروں کی آرزو

جب سے یہ اشک شعلہ بدامن نہیں رہے
کیسی بجھی ہوئی ہے شراروں کی آرزو

اپنی شگفتگی میں تمھیں تو خبر نہ تھی
میں دیکھتا رہا تھا بہاروں کی آرزو

برقِ جمال ایک اشارے میں پھونک دے
مجھ سے نہ پوچھ میرے شراروں کی آرزو

تم تو نقاب رُخ سے اُٹھانے نہ پائے تھے
دیکھی گئی نہ مجھ سے نظاروں کی آرزو

فصلِ جنوں میں ہم سے گریباں ہوا نہ چاک
پوری کبھی ہوئی نہ بہاروں کی آرزو

رنگینیوں میں ڈوب کے اُبھرا تو کیا ہوا
بن جا نکھر کے آپ نظاروں کی آرزو

بیگانہ وار دیکھنے والے جمالِ یار
میری نظر سے دیکھ نظاروں کی آرزو

یہ آگ بڑھ کے اپنے گلستاں میں لگ نہ جائے
ہر دل میں پل رہی ہے شراروں کی آرزو

(۱۴)

کیا بارگاہِ حسن سے ہم لے کے آئے ہیں
اک لازوال دولتِ غم لے کے آئے ہیں

صدقے کریں گے جا کے کسی آستاں پہ ہم
سجدے جو منتشر تھے ہم لے کے آئے ہیں

یہ اور بات ہے کہ کرم ہو نہ ہو ادھر
دل میں تو ہم امیدِ کرم لے کے آئے ہیں

گلشن میں دے رہے ہیں پیامِ بہار پھول
یعنی ہمارے واسطے غم لے کے آئے ہیں

اٹھے ہیں تیرے در پہ جبیں سائیوں کے بعد
پیشانیوں پہ نورِ حرم لے کے آئے ہیں

پھر امتحانِ ذوقِ یقیں چاہتے ہیں وہ
(ق)
پھر وعدۂ نشاط و نعم لے کے آئے ہیں

میں چاہتا ہوں اپنی حقیقت کی روشنی
وہ دعوتِ نشاطِ ارم لے کے آئے ہیں
آنے لگیں تھیں میرے گناہوں میں لذّتیں
پھر وہ سرورِ اُمیدِ کرم لے کے آئے ہیں

(۱۴)

رنگینیوں میں کھوئے ہوئے ہو خبر بھی ہے
دل خون رو رہا ہے کسی بیقرار کا
اے رنگ و بو کے کھیل میں مصروف باغباں
گلشن میں لٹ رہا ہے نشیمن بہار کا
اللہ کس نگاہ سے دیکھا تھا آپ نے
زیر و زبر ہے قافلہ صبر و قرار کا
مایوسیوں نے تلخ بنا دی ہے زندگی
چھلکا دے ایک جام مئے خوشگوار کا
واں اُٹھ چکی نقاب مئے جلوہ لُٹ چکی
اور میں کہ منتظر ہوں تماشائے یار کا

میرے جنونِ شوق کی ہیں فتنہ خیزیاں
جن کو سمجھ رہے ہو کرشمہ بہار کا
روحوں میں کھیلتی ہیں محبت کی مستیاں
شاید برس گیا کوئی بادل خمار کا

(۱۴)

آئینہ جمال بنا جا رہا ہوں میں
ذرّہ ہوں آفتاب کو شرما رہا ہوں میں
دل میں دبی تھی آگ جو بھڑکا رہا ہوں میں
بجلی نظامِ ہوش پہ برسا رہا ہوں میں
رنگین ہو گیا ہے ہر اک نقشِ آرزو
وہ پی ہے خود شراب بنا جا رہا ہوں میں
واں ہو رہی ہے جلوہ گری بزمِ ناز میں
یاں بسترِ الم پہ تڑپتا رہا ہوں میں
آئے نگاہِ یار سے اُمیّدِ لطف آہ
مایوسیوں کو دیر سے بہلا رہا ہوں میں

ء دامانِ چاک، دیدۂ نم، جانِ بے قرار
اتنی سی کائنات پہ اترا رہا ہوں میں

بس کر خدا کے واسطے اے پیکرِ جمال
اک محشرِ خیال بنا جا رہا ہوں میں

یارب مری نظر کی بلندی کو کیا ہوا
اندیشۂ قفس میں گھرا جا رہا ہوں میں

میں نے حجابِ رُخ سے اُٹھایا تھا ایک بار
اب تک اُسی گناہ پہ شرما رہا ہوں میں

گُم گشتگی میں منزلِ نو کی لطافتیں
ایسی مسرّتوں میں بھٹکتا رہا ہوں میں

جامِ سرور دے کے ہر اک تشنہ کام کو
یہ ساری بزم مست کئے جا رہا ہوں میں

(۱۵)

لے اُڑا ذوقِ نظر اپنی نظر کو کیا کروں
راہبر نے رہزنی کی، راہبر کو کیا کروں

بھول تو جاؤں تجھے میں اے تغافل آشنا
دردِ دل کو کیا کروں، دردِ جگر کو کیا کروں

رنگ کچھ آنکھوں سے ٹپکا تھا وفورِ شوق میں
اس کو کہتے ہیں شفق اہلِ نظر کو کیا کروں

آپ اک منزل بنا لے گی مری گم گشتگی
کارواں ڈھونڈوں کہاں میں راہبر کو کیا کروں

فطرتِ مجبور پہ قابو ہی کچھ ملتا نہیں
مانگنے کو میں دعا مانگوں اثر کو کیا کروں

یہ فضائے دہر ساری گل بداماں ہے تو ہو
جو تجھیں کو ڈھونڈتی ہو اس نظر کو کیا کروں

ہیں دکھا دیتا کمالِ آرزو کی وسعتیں
لیکن اس گمراہیِ شام و سحر کو کیا کروں

پستیوں میں پھنس گیا تھا عشق کی افتاد سے
مائلِ پرواز ہے ذوقِ نظر کو کیا کروں

سر بسجدہ مدّتوں سے ہوں مگر پھر بھی سُرورؔ
اور بڑھتا جا رہا ہے بارِ سر کو کیا کروں

(۱۶)

اپنے کمال شوق کا مظہر بنا لیا
اس سے سوا سرورؔ ترا دل نے کیا لیا

خود اپنا نقش آپ بنا کر مٹا لیا
کیا کر لیا جو تم نے مرا دل دُکھا لیا

آئینۂ خیال، فضائے بلند بال
تو نے تجلیوں میں جو چاہا بنا لیا

اپنی نظر سے کون و مکاں جگمگاؤں گا
تیری نظر سے عرصۂ دل جگمگا لیا

اب دل ہے اور دل پہ حکومت ہے حُسن کی
میں نے نظامِ ہوش سے رشتہ اُٹھا لیا

اب حُسن بھی ہے محرمِ اسرارِ عاشقی
اچھا کیا جو جذبۂ دل آزما لیا

صد ہا جمالِ عشق سے محروم رہ گئے
تم نے جو دستِ شوق سے دامن چھڑا لیا

آ، اور مرے خیال کو رنگیں بنائے جا
میں نے یہ عرصہ گاہِ تمنّا سجا لیا

تیری بس اک نگاہِ محبّت کی دیر تھی
ہر ذرّہ کائنات کا رنگیں بنا لیا

"عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے"
تیری خلش میں میں نے ترا لطف پا لیا

یاروں کو ساز گار رہوں منزل کی لذّتیں
میرے جنوں نے اور ہی رستہ بنا لیا

بارِ حیات کون اُٹھائے گا اے سرور
تو نے تو ساری بزم کو بیخود بنا لیا

(۱۷)

کون ہے جس کو ابھی پہلو نشیں سمجھا تھا میں
اپنے ہی حسنِ تخیّل کو نہیں سمجھا تھا میں

دور ہیں جن کو رگِ جاں سے قریں سمجھا تھا میں
بے خودی میں کیا تصوّر کو حسیں سمجھا تھا میں

لے لیا آغوش میں اس نے فرازِ کائنات
ذرّۂ خاکسترِ دل تہ نشیں سمجھا تھا میں

روح کا ارمان، نظر کی جان، دل کی آرزو
سچ بتا ظالم تجھے کیا کیا نہیں سمجھا تھا میں

اب ہوا معلوم یہ غیروں کی محفل تھی سرو
آستانِ یار پر اپنی جبیں سمجھا تھا میں

(۱۸)

نگاہِ قہر میں امرت مِلا نہ دوں تو سہی
خفا ہوں آپ جو میں مسکرا نہ دوں تو سہی
کسی کے نور سے دل جگمگا نہ دوں تو سہی
فضائے دہر کو رنگیں بنا نہ دوں تو سہی
مٹانے والے بھی سرگرمِ جستجو ہو جائیں
میں اپنے آپ کو اتنا مٹا نہ دوں تو سہی
اُٹھا کے شعلۂ غم برق پارۂ دل سے
بساطِ حسن پہ بجلی گرا نہ دوں تو سہی
سکوتِ ناز میں کھوئی ہوئی نظر والے
بیک نگاہ تجھے گدگدا نہ دوں تو سہی
مریضِ عشق کو اک بار دیکھتے جاؤ
دوا کرو نہ کرو تم دعا نہ دوں تو سہی
ہر ایک قطرۂ خوں خود شراب بن جائے
سرورِ بزم کو اتنا چھکا نہ دوں تو سہی

(۱۹)

ضیا باریوں پر ضیا باریاں ہیں
مجھے پھونک دینے کی تیاریاں ہیں

یہ کس چشم میگوں کی مے خواریاں ہیں
ہر اک بزم میں آج سرشاریاں ہیں

نظر دے رہی ہے پیامِ محبّت
تبسّم میں در پردہ دلداریاں ہیں

بہارِ تمنّا کی رنگینیوں میں
کسی دستِ نازک کی گلکاریاں ہیں

اٹھا دو! دو عالم کے پردے اٹھاؤ
مری روح میں آج بیداریاں ہیں

زمانے کو اذنِ وفا دے رہے ہیں
نظر اٹھ رہی ہے گرفتاریاں ہیں

ذرا رنگ چھلکا تھا میناۓ دل سے
غزل میں آسی کی تو گلکاریاں ہیں

(۲۰)

خاکِ دل میں گلکاری ہوگئی بہانے سے
خونِ آرزو ٹپکا حُسن کے فسانے سے

کِھل گئی کلی دل کی اُن کے مُسکرانے سے
قلب جگمگا اُٹھے اِک حجاب اُٹھانے سے

خاک ہو کے لپٹی ہے اُن کے آستانے سے
لگ گئی میری مٹی آخرش ٹھکانے سے

اے سکوتِ بے پایاں، جا اُنھیں خبر کر دے
اُٹھنے والے محفل سے، اُٹھ گئے زمانے سے

خاکِ ہر نشیمن ہے خود بنائے نو لیعنی
بجلیوں کو الفت ہے میرے آشیانے سے

(۲۱)

کھلا دے غنچۂ دل سوز و ساز رہنے دے
نگاہِ لطف اُٹھا چشمِ ناز رہنے دے

نگاہِ ناز نے چھیڑا تھا کس طرح اے دل
یہ ماجرائے محبّت ہے راز رہنے دے

ہر آئینہ میں وہی عکس ہے وہی جلوہ
تلاشِ جلوۂ آئینہ ساز رہنے دے

وہ سُن تو لیں مرا افسانۂ وفا اے دل
مگر جو شانِ تغافل بھی باز رہنے دے

یہ کیا کہ جام نہیں مے نہیں سرور نہیں
ابھی تو بزم کو مینا نواز رہنے دے

(۲۲)
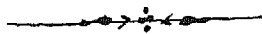
ہوائیں لے کے آئی ہیں بہاریں
چلو اس شوخ کا جوبن نکھاریں

وہ زلفِ عنبریں لہرا رہی ہے
گھٹاؤں سے کہو صدقہ اتاریں

ہر ایک شے آج نغمہ بن گئی ہے
فضاؤں سے نکلتی ہیں ملاریں

پریشاں ہو چکا سارا زمانہ
بس اب اُن سے کہو زلفیں سنواریں

انھیں رنگینیوں میں کھو گیا ہے
سرورؔ آؤ ذرا دل کو پکاریں

(۲۳)

کچھ ان اداؤں سے وہ مسکرائے جاتے ہیں
فضائے دہر کو رنگیں بنائے جاتے ہیں

الٰہی خرمنِ دل پر ہے کرم کی نظر
وہ برق بن کے فضاؤں پہ چھائے جاتے ہیں

کسی کی یاد میں اس درجہ کھو گیا ہوں میں
کہ جن کو ڈھونڈھ رہا ہوں وہ پائے جاتے ہیں

فضائے حُسن کے ذرّوں سے پوچھ لیتا ہوں
یہ کس کے نور سے دل جگمگائے جاتے ہیں

اب اُن سے وعدۂ فردا کی کیا شکایت ہو
جواب دیتے نہیں مسکرائے جاتے ہیں

کسی حسین کے دل میں جگہ نہ ہو نہ سہی
مہرورین کے نظر میں سمائے جاتے ہیں

(۲۴)

بسے ہوئے ہیں ازل سے مرے خیالوں میں
مگر وہ بھول کے بھی سامنا نہیں کرتے

ہوا ہے جس کی حرارت سے اُن کا گھر روشن
اُسی کے دل میں اُجالا ذرا نہیں کرتے

اُنھیں کسی دلِ گم گشتہ کی خبر معلوم؟
اب اس طرف سے بگولے اٹھا نہیں کرتے

خرامِ موج سے لوٹے تہ نشیں بہتر
کہ ڈوب جاتے ہیں لیکن بہا نہیں کرتے

وہ ہم کہ خاک میں مل کر بھی سر بلند رہے
نظر میں کون و مکاں حد بنا نہیں کرتے (ق)
غبار بن کے فضاؤں میں گھٹتے ہیں تگ و تاز
نشانِ راہ کی صورت مٹا نہیں کرتے

قریبِ شہر گِ عشق اور عقل کا نشتر
یہ درد وہ ہے کہ جس کی دوا نہیں کرتے

خلش سے عشق کی لیتے ہیں لذتیں پیہم
کبھی دوا نہیں کرتے، دعا نہیں کرتے

سرورِ بزم کو دیتے تھے درسِ شوق کبھی
سنا ہے اب وہ تماشے ہوا نہیں کرتے

(۲۵)

تم نے تو کہہ دیا ہے نہ آئے نہ آؤ گے
میں بھی نہ اپنی جان سے جاؤں تو کیا کروں

میرا تو کچھ نہیں ہے وہ ہوتے ہیں بے نقاب
جو راز دل میں ہے نہ چھپاؤں تو کیا کروں

واں تم نکھر رہے ہو خود اپنی بہار میں
میں اپنے غم میں ڈوب نہ جاؤں تو کیا کروں

رہ جائے بزمِ عشق میں تیری نگہ کی شرم
دنیا اک اور بھی نہ بناؤں تو کیا کروں

کیسے ملیں حیاتِ نوی کی لطافتیں
بجلی نہ آشیاں پہ گراؤں تو کیا کروں

ہر ہر قدم پہ سجدۂ دل چاہتے ہیں وہ
یہ وضعِ عشق ہے نہ نبھاؤں تو کیا کروں

بیدار ہو رہی ہے سحر و راب نژاد نو
پیغامِ حرّیت نہ سناؤں تو کیا کروں

(۳۶)

تعالیٰ اللہ وہ بھی زندگی کیا زندگی ہوگی
ہماری خاک دامن سے ترے لپٹی ہوئی ہوگی

جسے تم سادگی کہتے ہو وہ کیا سادگی ہوگی
نگاہوں میں ہمارے خون کی شوخی ملی ہوگی

بلا سے گر ہجوم شام غم میں تیرگی ہوگی
خیالِ یار کام آئے گا کچھ تو روشنی ہوگی

خدا جانے کہ کس عالم میں تھا کچھ یاد پڑتا ہے
تم آئے ہو گئے ہاں محفل مری محفل بنی ہوگی

ہم ایسے مردہ دل بھی زندگی محسوس کرتے ہیں
ترے ہر سانس میں تیری جوانی کھیلتی ہوگی

بہت مدت کے بعد اب اُن کے جلوے مسکرائیں گے
بہت مدت کے بعد اب میرے گھر میں چاندنی ہوگی

قلم سے صفحۂ کاغذ پہ بھی گلکاریاں ہوں گی
ہماری داستاں تک رنگ میں ڈوبی ہوئی ہوگی

(۲۷)

حُسنِ جذبات سے گلگوں ہے ترا رشتہ نہیں
ایک بھی قطرۂ خوں اور مرے دل میں نہیں

سامنے عالمِ انوار تھا محوِ تنزیں
سر جھکاتے ہی نہ سجدے تھے نہ میں تھا نہ جبیں

میرے اللہ بدل روزِ ازل سے آئیں
اس قدر سیلِ گنہ، کوئی گنہگار نہیں

رقصِ مستی مرے ساقی کو گوارا نہ ہوا
خاک ویرانۂ محفل ہے چہ دنیا و چہ دیں

ذرّہ ذرّہ سے ٹپکتی ہیں لہو کی بوندیں
سینۂ دہر میں ہے کوئی شگافِ خونیں

ٹھہر اے دشتِ جنوں عشق کی تکمیل تو ہو
دل دھڑکتے تو ہیں روحیں ابھی بیتاب نہیں

عالمِ نور سے لائی ہے خیالوں کے پرے
ہائے وہ خواب جو لفظوں میں سمائی ہی نہیں

متفرقات

بہت آسان ہے ہر دشت کو منزل سمجھ لینا
مگر منزل کو بھی ٹھکرانے والے اور ہوتے ہیں

چلا تھا لے کے کچھ روزِ ازل سے نسبتیں شاید
غبارِ سنگِ درِ اُن کا دلِ شوریدہ سر اپنا

وفورِ شوق میں گستاخیوں نے ہاتھ پھیلائے
مگر ہر بار اپنے جیب و داماں ہاتھ میں آئے

(ڈی۔ ایچ۔ لارنس)

کون کہتا ہے کہ عاشق شدتیں سہتے نہیں
آنکھ میں آنسو اُمنڈتے ہیں مگر بہتے نہیں

جائیں وہ اپنے جلوے چھپا لیں نقاب میں
میرے کمالِ شوق کا ساماں نظر میں ہے

تمت